''گلافتاب'' کے لسانی تجربات کا جائزہ

منیبہ زہرا کاظمی
پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)
شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

GULAFTAB BY ZAFAR IQBAL
A STUDY OF LINGUISTIC EXPERIMENTS

Muneeba Zahra Naqvi
PhD Scholar (Urdu)
University of Sargodha

Abstract

The article explores the linguistic experiments made by Zafar Iqbal in his collection namely 'Gulaaftab'. Apparently, he has distorted the conventional style of composing poetry by making amendments and innovations in grammar and language and by introducing a self-coined diction. He has unified the words, similes and allusions from different languages and has created a cultural harmony. However, where 'Gulaaftab' has complicated the verse pattern, it has also broadened the horizon of poetry by exploring new dimensions.

Keywords:
Zafar Iqbal, conventional Urdu poetry, Tariq Hashmi, Arabic, Persian, Punjabi, The Paradise Lost, Muhammad Izharul Haq, Sher Afzal Jafri

ظفر اقبال کی لسانی تشکیلات اور لسانی تجربات یوں تو اُن کی شاعری میں کسی نہ کسی پیرایے اور کسی نہ کسی رنگ و آہنگ میں دکھائی دیتے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں لیکن ''گلافتاب'' کے شعری مجموعے نے اپنے عنوان کے ساتھ ساتھ غزل کے لیے نئی لفظیات کی تشکیل اور معنویت کے نئے تجربے سے روشناس کرواتے ہوئے (۱۹۶۰ء میں لسانی تجربات و تشکیلات کی جس بحث کا آغاز ہوا تھا) اُسے شعری پیکر میں ڈھال کر اردو غزل کی تشکیلِ جدید کرتے ہوئے

کوئی اور ہی دوپہر گرم ہے

کے مصداق ایک نیا رنگ تغزل متعارف کروایا۔ظفر اقبال نے ''گلافتاب'' کے شعری تجربات کی بابت برملا اظہار کیا کہ یہ تازہ خون اردو زبان کی موجودہ تھکن اور پژمردگی دور کرنے کے لیے ضروری تھا اور کلی شیز کا یہ پہاڑ کاٹنے کے لیے جہاں میں نے لفظوں کو نئے جوڑ توڑ سے روشناس کیا ہے، وہاں کسی قدر توڑ پھوڑ بھی روا رکھی ہے۔(۱) ظفر اقبال نے نئے اسلوب کی بدولت جہاں اردو زبان کی تھکن اور پژمردگی کا ازالہ کرتے ہوئے لفظوں کے نئے جوڑ متعارف کروائے ہیں وہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس ڈسٹورشن سے لفظوں کی شخصیت اندر سے بھی بدلی ہے، نئی سازباز سے لفظوں کے مابین نئے رشتے استوار ہوئے ہیں اور ابلاغ کی نئی سطحیں دریافت ہوئی ہیں۔(۲)

''گلافتاب'' نے شعر کے مطالعے میں وسعت پیدا کرتے ہوئے محسوسات کے نئے انداز اور نئے زاویوں کی تصویر کشی کی ہے اور ایک نئے تصورِ خیال کی بدولت نئی دنیا اور خیال کا نیا وجود ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔''گلافتاب'' کی بدولت غزل عہد جدید کے تقاضوں سے آنکھ ملا سکتی تھی۔گلافتاب، دراصل غزل کی ماہیت اور قالب میں تبدیلی نہیں تھی انقلاب تھا، اور انقلاب بغیر رورعایت کے اور توڑ پھوڑ اور شکستن دیوار و در کے نہیں آتا۔(۳)

ظفر اقبال نے گلافتاب کے پہلے ایڈیشن میں زبان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، وہ سمجھتے ہیں کہ دراصل وہ لوگوں کو صدمہ دے کر جھنجھوڑنا چاہتے تھے۔انھیں اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ انھوں نے بعض مقامات پر شعری حوالے سے حد سے تجاوز بھی کیا ہے' لیکن اُسے وہ ایک نفسیاتی مقصد سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اگلے کو موت دکھاؤ تو وہ زحمت قبول کرے گا۔''(۴)

دراصل لفظ و معنی کی اِس تشکیل اور تجربات و تشکیلات کے اس پیرایے سے ظفر اقبال نے لفظ کے غیر معمولی استعمال کا راستہ دکھایا، زبان کو زندہ اور متحرک سمجھتے ہوئے اسے بے جا پابندیوں سے نجات دلانے کی کوشش کی، اضافت اور گرامر کے مروجہ طریقے بدل کر اس گھٹن کو ختم کیا اور پنکچویشن کیسر اڑا دی ہے کہ معانی کو محدود اور پابند کرتی ہے۔(۵) ''گلافتاب'' کے پہلے ایڈیشن کے بعد ظفر اقبال نے یہ مناسب جانا ہے کہ لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا

کر دیا جائے کیونکہ لسانی تشکیلات اور تجربات کے حوالے سے وہ جن مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ مقاصد پورے ہو چکے تھے۔

''گلافتاب'' کے شعری تجربات پر بحث سے پہلے ذہن میں یہ بات ہلچل مچاتی ہے کہ ظفر اقبال نے اپنے شعری مجموعے کا یہ عنوان جو منتخب کیا ہے تو یقیناً یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ یقیناً اس کی کوئی توجیہہ ضرور ہے۔ اس حوالے سے ظفر اقبال کی وضاحت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے:

> ''فارسی میں لفظ کی اضافت ختم کرنے کے لیے اس کی ترتیب بدل دیتے ہیں مثلاً ''خانہ مے'' کو مے خانہ اور ''دستہ گل'' کو ''گل دستہ'' اسی طرح ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اضافت ختم کر کے ایک لفظ بنا دیتے ہیں۔ اس طرح میں نے گل آفتاب کی اضافت اڑائی اور اسے ون ورڈ بنانے کے لیے ''گلافتاب'' کا تجربہ کیا۔''(۶)

ظفر اقبال کی ''گلافتاب'' کے ون ورڈ بنانے کے تجربے کی وضاحت کے بعد کسی وضاحت کی گنجائش تو نہیں رہتی البتہ ''گلافتاب'' کا عنوان اپنے پیرایے میں ایک طرح کا اچھوتا پن لیے دکھائی دیتا ہے اور معاً ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ دو الفاظ کا یہ مجموعہ دراصل روایت اور جدت کا وہ حسین سنگم ہے کہ جس نے روایت کے گل ہائے نو بہ نو کو جدت کے آفتاب کی تب و تاب دے کر ''گلافتاب'' بنا دیا ہے۔

لیکن بات اسی پر بس نہیں ہوتی۔ طارق ہاشمی اسی پر مزید بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''گلافتاب'' لسانیات کی اصطلاح میں ایک PORTMENTEAU لفظ ہے، جس میں دو الفاظ ترکیب بننے کے بجائے ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک نیا لفظ بناتے ہیں۔(۷)

گلافتاب کے عنوان سے ذہن میں متعدد سوالات سر اٹھاتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اس لفظ کی تشکیل کی توجیہہ ظفر اقبال کے نزدیک کیا ہے؟ صرف یہ حوالہ کہ فارسی میں لفظ کی اضافت ختم کر کے نیا لفظ تشکیل دے لیتے ہیں ایسی وضاحت نہیں جسے کافی سمجھا جائے کیونکہ ظفر اقبال جیسے شاعر کے نزدیک یہ صرف ایک ترکیب نہیں ہے بلکہ اس ترکیب میں یقیناً ایک ایسی معنویت پوشیدہ ہے جو ''گلافتاب'' کو گل آفتاب سے کچھ جدا بنا دیتی ہے۔ اگر لفظ آفتاب کا احاطہ کیا جائے تو ذہن میں روشنی کا وہ منبع آجاتا ہے جو ہر شے کے حسن و قبح کو باہم جدا کرتا ہے مگر اپنی ذات اور ضیا پاشیوں میں یکتا ہے اور خود کسی روشنی کا محتاج نہیں۔ اب اس آفتاب کے ساتھ اگر گل کو جوڑ دیا جائے تو اس سے مراد ایسا پھول ہے جو گل آفتاب ہے اور آفتاب کا گل ہونے کی بابت یہ پھول اپنی انفرادیت اور خوبصورتی میں یکتا ہے کیونکہ گل آفتاب ہے۔

اسی طرح اگر ''گلافتاب'' کی تشکیل کو ذہن میں رکھا جائے تو خیال آتا ہے کہ کیا اس ''گلافتاب'' میں آفتاب Light of Wisdom یا Intellect ہے جو عقل کے دریچے کھولتی چلی جاتی ہے اور اس روشنی کی

ظاہری ہیئت ''گل'' ہے اور ''گل'' دراصل منطق واستدلال کی روشنی کو کشید کرتے ہوئے وہ اشعار ہیں جو ''گلافتاب'' میں جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر ''گلافتاب'' میں ''آفتاب'' کو الہامی بصیرت کا منبع سمجھا جائے تو پھر ''گل'' اس بصیرت کا وہ نرم و نازک وجود ہے جو اپنی نزاکت اور حسن کے باوجود اپنی ذات میں عقل وعرفان کے بہت سے رنگوں اور روشنیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔اور یہ رنگ بھی ''گل'' کی مانند ایسے نازک اور لطیف ہیں کہ جنھیں عقل خود بھی بڑے لطیف مراحل سے گزر کر پا سکتی ہے اور جس کے بارے میں ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ

اک آفتاب اور ہے اس آفتاب میں(۸)

اسی طرح جب ہم ''گلافتاب'' کے اُن معنوں پر غور کرتے ہیں جو لسانیات کی اصطلاح سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں، تو ایک اور مفہوم واضح ہوتا ہے ''گلافتاب'' کا لفظ دراصل لسانیات کی اصطلاح Portmanteau سے مطابقت رکھتا ہے جس کا ذکر طارق ہاشمی نے بھی کیا ہے۔

Portmanteau ایک French word ہے یہ ایک ایسا لفظ ہے جس میں ایک لفظ کے شروع کے حصے اور دوسرے لفظ کے آخری حصے کو جوڑ کر ایک نیا لفظ بنا لیا جاتا ہے جبکہ دونوں لفظوں کا مطلب برقرار رہتا ہے انگریزی میں اس کی مثال Motel, Smog اور Wurly اور اسی قسم کے کئی ایک الفاظ ہیں۔

Motel سے مراد ایسا ہوٹل جس میں پارکنگ ایریا ہو۔یہ لفظ Moter اور Hotel کو ملا کر بنایا گیا ہے۔اسی طرح Smog دھوئیں اور دھند کا امتزاج، جس میں Smok اور Fog دونوں شامل ہیں جب کہ Wurly کا لفظ Curly اور Wavy بالوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو انھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔اب ''گلافتاب'' کو اس اصطلاح کے حوالے سے پرکھا جائے تو یہ اپنے پیرایے میں گل کی نزاکت، حسن، خوشبو اور رنگ بھی لیے ہوئے ہے اور آفتاب کی روشنی، حدت اور سب سے بڑھ کر ہر شے کی اصل کو پرکھنے اور اجالنے کا ہنر بھی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔یوں ''گلافتاب'' کے اشعار میں حسن کی نزاکت بھی ہے رنگ بھی، جلووں کی تمازت بھی جذبوں کی حدت بھی اور زبان وبیان اور لفظوں کے مختلف رنگوں کی شدت بھی ہے۔

ظفر اقبال کے لسانی تجربات کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے ''گلافتاب'' کے لسانی تجربات کا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعد کے شعری مجموعوں میں انھی تجربات کا کوئی نہ کوئی رنگ ضرور موجود ہے یا انھی تجربات کی توسیع کی گئی ہے۔''گلافتاب'' میں ظفر اقبال نے لسانی حوالے سے متعدد تجربات کیے ہیں۔انھوں نے پنجابی طرز پر تراکیب سازی بھی کی اور اضافت کو ختم بھی کیا ہے۔اس کے علاوہ مقامی دیسی زبان کے رنگ ہی کا اثر ہے کہ بعض الفاظ کا تلفظ بھی مقامی بولیوں کی طرح بدلا ہوا لہجہ لیے ہوئے ہے۔

ظفر اقبال نے اپنے لسانی تجربات میں الفاظ کی جمع مقامی طرز پر بنائی ہے عربی اور فارسی قواعد کے

مطابق نہیں بنائی ۔اسی طرح انھوں نے لسانی تجربہ کرتے ہوئے نئے مصادر بھی بنائے ہیں ۔'' گلافتاب'' میں لسانی تجربات کے نئے ذائقے نئے تجربات اور ذولسانی تجربات، تجرید، زبان اور محسوسات کے نئے تجربات کے ساتھ ملتے ہیں ۔کچھ غزلیات میں روایتی مضامین اور روایتی انداز غزل کا شائبہ تو ہوتا ہے مگر اس روایت میں بھی حسن تخیل، الفاظ وتراکیب اور استعاروں کے پیرایے میں ایک طرح کی جدت پوشیدہ ہے۔

ظفر اقبال نے '' گلافتاب'' میں روش عام سے ہٹ کر لسان، زبان، نئی غزل، نئی معنویت اور گرامر کی تبدیلی کے علاوہ سیدھے سادے شعر لکھنے کے بجائے اس میں اپنی طرف سے بھی کچھ کجی ڈالنے کا جو رنگ اپنایا ہے ان کے اشعار میں اس کے اشارے ملتے ہیں:

سیدھے سیدھے شعر کہتے سب کو خوش آتے ظفر
کیا کیا جائے کہ اپنی عقل میں افتور تھا

مطلع میں ظفر کو روکتا کون
اچھا کو جو باندھ لیتے ، اچا

معنی کے ملبے سے نکلا تو میں
گرامر کی دلدل میں دھنستا رہا

نقاد کہنہ پر اثر شعر نو ہے یہ
پڑھ کر غزل غریب کا بھیجا الٹ گیا

ظفر اقبال نے بعض اشعار میں اردو کے مروجہ تلفظ کے بجائے پنجابی زبان کے زیر اثر غزلیات میں تلفظ کی تبدیلی کی ہے۔درج ذیل غزل میں یہ تبدیلی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے:

جڑا آرزو نے بڑے جوکھموں
عمارت نئی میں پرانا پتھر
بدن بوند جب تک چمکتی رہی
مسہری سے باہر نہ نکلا مچھر
میں اُس کیفیت کو نہیں جانتا
مجھے تیسری بار آیا صبر

بہت خون میں سنسناتا پھرا
چکا چوند چونچال کالا کفر

ظفر اقبال کی وہ غزلیات جن میں لسانی تجربات اور تشکیلات کے نو بہ نو رنگ موجود ہیں، انھی میں سے ایک رنگ خود ساختہ زبان کی تشکیل کا رنگ بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ایک تجربہ اردو کے الفاظ کو پنجابی کے قالب میں ڈھال کر نئے مصادر کی تشکیل کا عمل ہے۔ اِس حوالے سے انھوں نے الفاظ کے مروجہ مطالب کے علاوہ نئے مفہوم پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ان غزلیات میں کچھ اور اشارات بھی پوشیدہ ہیں:

چمک چمکارنے شب شیرنے کے
مزے محکم الف ، انجیرنے کے

لہو لہلوٹ سیاہی پھیلویں پھب
کڈھب کاغذ طلب تحریر نے کے
گرج گڑگڑ گھٹا ، بن باس بجلی
جھپٹ جھٹ پٹ جھلس تحریر نے کے

سبز درخت سُرخ سکھ سیب ، جھلمل
چڑھن چکھ ، چیرنے کشمیر نے کے
مہورت ماجرا ، منظر ، مناظر
جسم دیواریں تصویر نے کے

درج ذیل غزل میں بھی لسانی تجربات کا رنگ بڑا واضح ہے:

ولدّر درمیاں ولدارنے کا
تلخ تنہا الف انکارنے کا
کھڑے کھیتاں رڑے ریتاں تناظر
سبز سورج سراب اطوارنے کا
کھڑک کھڑکا ، دھڑک دھڑکا اہربل
مزہ مدھم پریشاں پیارنے کا
کڑک بجلی ، بھڑک شعلہ ، دھڑک دھوپ

بدن بادل ، اڈ کہسارنے کا
فزوں تر فاصلہ ، راتوں براتوں
الٹ پلٹا اثر اصرارنے کا
گھڑی گھنگھور ، جپ جادو ، جدائی
متن مجبورنے مختارنے کا
امشکل پیروی انجان ایجاد
مگن میتھڈ عجب اشعارنے کا
ظفر بے انت بڑباتاں بتنگڑ
بطن بے کارنے بے چارنے کا

ان اشعار میں ظفر اقبال نے نئے مصادر کے ساتھ ساتھ بعض مصرعوں میں الفاظ کے جوڑے بناتے ہوئے پہلے لفظ کی نسبت سے بعد میں آنے والے لفظ کو اوّل الذکر کی صوت سے مماثل کرنے کی کوشش کی ہے یا پہلے کی نسبت سے بعد میں آنے والے الفاظ کی اشکال اور اصوات میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

انگریزی ادب میں ایک مصرعے یا ایک شعر میں ایک جیسی اصوات کی تکرار کا عمل "Alliteration" کہلاتا ہے، جس کی مثال Paradise Lost میں دیکھی جاسکتی ہے۔

Of Man's first disobedience and the fruit

Of that forbidden tree ___ (۹)

اس مثال میں "F" کی ساؤنڈ سے شاعر نے ایک سحر کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے، جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور اس کے علاوہ وہ الفاظ جو "F" کی "Sound" لیے ہوئے ہیں، اپنے اندر شدت اظہار کا رنگ بھی سمیٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ظفر اقبال نے ''آب رواں'' میں ''سوئی، سلگتی، سوچتی، سنسان سی سڑک'' کے پیرایے میں ایک ہی مصرعے میں ''س'' کی نسبت پانچ اصوات اور ان اصوات کی پانچ اشکال کی منظر کشی کرتے ہوئے، ہر لفظ کے معنی کا باہم تسلسل قائم رکھتے ہوئے ''سڑک'' کے جملہ خواص کو بڑی شدت سے واضح کیا ہے۔

بے شک وہ آوازیں جن میں باہم کچھ ربط ہو یا وہ باہم مل کر ربط پیدا کر سکیں، موسیقی کی ایک فارم ہیں لیکن اگر وہ ربط مبہم یا نامکمل ہے تو محض شور ہے۔ ظفر اقبال نے مذکورہ بالا غزلیات میں ایک لفظ کی نسبت سے دوسرا لفظ لاتے ہوئے الفاظ کے جوڑے بنائے ہیں، کچھ مصرعوں میں یہ اصوات ایک مکمل تاثر کی حامل اور ایک تسلسل بیاں کا اظہار ہیں مگر بعض مقامات پر ظفر اقبال نے لسانی تجربات کے ذریعے اپنے من پسند مصادر سے مفہوم کو بدل

کر رکھ دیا ہے۔

مثلاً چمک کی نسبت سے چمکارنے کا مصدر بظاہر چمک کو فزوں تر کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مگر اردو زبان میں چمکارنے کا وہ مطلب نہیں ہے جو چمک چمکارنے سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ خالصتاً ظفر اقبال کی ذاتی اصطلاح ہے۔

اسی طرح لہو کے ساتھ لہلوٹ کا استعمال لہولہان کے معنوں میں کیا گیا ہے لیکن پنجابی زبان کی پیوند کاری سے لہو کے ساتھ لہلوٹ کے استعمال سے ظفر اقبال نے زبان کو نئے تجربے سے دوچار کیا ہے۔اسی طرح کڈھب کی نسبت سے کاغذ کے استعمال سے صوتی رشتہ استوار کیا ہے۔گرج کے ساتھ گڑگڑاہٹ کی گڑگڑ اور گھٹا ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھنے والے الفاظ ہیں۔دوسرے مصرعے میں ''تحریر نے کے'' کا استعمال پوٹھوہاری لہجے کی معنویت سے ہمکنار کرتا ہے۔

البتہ دوسری غزل میں دلدر اور دلدار نے کا بظاہر ربط صوتی اعتبار سے ہے۔اور وقتی طور پر دلدر کو دلدار نے کی توجیہہ سجھائی نہیں دیتی۔لیکن یہ سرشتِ آدم ہے کہ مصائب کو پسند کرتا ہے اور یوں محبوب بنا لیتا ہے کہ

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اُسے غم جاناں بنا دیا

غور کیا جائے تو زندگی خود محبت، جدائی، انتظار، حسرتوں اور تمناؤں کے دلدر کو تا حیات یوں پالتی ہے کہ ''دلدار نے'' کی تلخی اکیلے الف سے ''انکار نے'' کی جرات نہیں ہوتی۔کھڑے کھیتاں، رڑے ریتاں، کھڑک کھڑکا اور دھڑک دھڑکا، کڑک بجلی، بھڑک شعلہ، دھڑک دھوپ ایک کی نسبت سے دوسرے کی صفت کو اجاگر کرتے ہوئے معنویت میں شدت پیدا کرتے ہیں اور معنوی تاثیر کو دوچند کرتے ہیں:ظفر اقبال کا درج ذیل شعر:

امشکل پیروی انجان ایجاد
مگن میتھڈ عجب اشعار نے کا

ظفر اقبال کی لسانی تشکیلات اور تجربات کو توجیہہ فراہم کرتا ہے۔ظفر اقبال نے اضافت کے حوالے سے جو تجربات کیے ہیں اس میں ''الف'' کو ختم کر کے بھی یہ تجربہ کیا ہے اور بعض الفاظ کے ساتھ ''الف'' کا اضافہ کرتے ہوئے اس تجربے سے روشناس کروایا ہے۔

شاعری میں تجربات یقیناً ایک شاعر کے ذوق جمال اور قوت خیال کی عکاسی کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جس مقام پر اردو کے عام اور مروجہ اسلوب سے معنویت اور خیال کا تسلسل قائم رہ سکتا ہے اور مطلب بخوبی سمجھ آ سکتا ہے، وہاں ایسے تجربات سے لفظ کو بدل کر رکھ دینا یا اُس کی ہیئت تبدیل کر دینا چہ معنی دارد؟ اس حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاعر نے بلاضرورت لسانی تجربے سے کام لیا ہے البتہ ایسی کوشش قدیم لہجے یا

علاقائی رنگ اجاگر کرنے کی ایک کوشش ضرور ہے۔ طارق ہاشمی نے اظہار الحق کا حوالہ دیتے ہوئے ظفر اقبال کی غزل کا متن اور محمد اظہار الحق کے مجوزہ متن دونوں درج کیے ہیں۔ ''گلافتاب'' کی غزل کا متن درج ذیل ہے:

سورج دریا میں گر رہیا تھا
میں دور سے چھپ کے دیکھتا تھا
پیڑوں پر ہوئی تھی برفباری
پتھرا پہاڑ بچ رہیا تھا
بادل اسیاہ سرزمیں پر
بجلی اورخت سا اگیا تھا
مچھلی باہر گئی ہوئی تھی
پانی امکان بے صدا تھا
افراتفری مچی ہوئی تھی
خوشبو اچراغ بجھ گیا تھا
اندھی تھیں انتظار آنکھیں
ساون میں ہر طرف ہریا تھا
سر میں تلوار سی چلی تھی
سینے پر پھول سا کھلیا تھا
دیدار انامہ بر کبوتر
آنکھوں کے گھر مرا پڑا تھا

ترمیم متن بزبان محمد اظہار الحق کچھ یوں ہے:

سورج دریا میں گر رہا تھا
میں دور سے چھپ کے دیکھتا تھا
پیڑوں پر ہوئی تھی برفباری
پتھر کا پہاڑ بچ رہا تھا
بادل کی سیاہ سرزمیں پر
بجلی کا درخت سا اگا تھا
مچھلی باہر گئی ہوئی تھی

پانی کا مکان بے صدا تھا
افراتفری مچی ہوئی تھی
خوشبو کا چراغ بجھ گیا تھا
اندھی تھیں انتظار آنکھیں
ساون میں ہر طرف ہرا تھا
سر میں تلوار سی چلی تھی
سینے پر پھول سا کھلا تھا
دیدار کا نامہ بر کبوتر
آنکھوں کے گھر مرا پڑا تھا(۱۰)

''گلافتاب'' کے دوسرے ایڈیشن میں محمد اظہار الحق کا تجویز کردہ متن ہو بہو موجود ہے۔کلیات جلد اول میں بھی مذکورہ بالا غزل کا متن دوسرے ایڈیشن اور محمد اظہار الحق کے مجوزہ متن کے مطابق ہے۔اس حوالے سے محمد اظہار الحق کہتے ہیں:

''میرے پاس اگر وقت ہوتا اور ہمت ہوتی تو ''گلافتاب'' کی از سر نو کتابت کرتا اور جہاں جہاں نیا چولہ غرابت دکھا رہا ہے، وہاں وہاں پرانا پیراہن فٹ کرتا۔''(۱۱)

بعض اشعار میں ظفر اقبال نے شعر کا وزن بحال رکھنے کے لیے ''الف'' کا اضافہ شروع میں کیا ہے۔ لسانی تجربات و تشکیلات کے حوالے سے تو یہ ایک منفرد انداز ضرور ہے لیکن درحقیقت یہ تجربہ خود ساختہ زبان شکنی کے ہی زمرے میں داخل ہے:

سیدے سیدھے شعر کہتے ، سب کو خوش آتے ظفر
کیا کیا جائے کہ اپنی عقل میں افتور تھا

نم نشیں تھی سرمئی سلوٹ کی سنگ آمیز سطح
ایک فٹ کے فاصلے پر دو سفید اگلاب تھے

فتور کی جگہ افتور اور دوسرے شعر میں گلاب کی جگہ اگلاب شعری اوزان برقرار رکھنے میں تو ممد و معاون ہو سکتا ہے لیکن صحت زبان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور خود ساختہ زبان کی تشکیل کی ایک کوشش ہیں۔

ظفر اقبال کی ''گلافتاب'' میں شامل لسانی تشکیلات اور تجربات پر پنجابی زبان کے لہجے، تلفظ، انداز گفتگو

اور بول چال کی مروجہ زبان کے اثرات بھی بخوبی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ''گلافتاب'' میں شامل ان کی غزل ''اور بھی ڈر تھا کوئی خوف خداؤں بغیر'' میں قوافی میں پنجابی لہجے اور انداز گفتگو کی واضح جھلک ملتی ہے۔ جس میں اضافت قوافی میں پوشیدہ ہے اسی طرح اس غزل میں مقطع میں ''رُکھ'' کے ساتھ ''ھ'' کا اضافہ کر کے یعنی 'ر' سے پہلے ''ھ'' کو جوڑ کر ''ہرکھ'' بنا دیا گیا ہے۔

شعر صرف ایک خیال نہیں ہوتا بلکہ زبان، ندرتِ خیال، علائم و رموز اور لفظ کے برمحل استعمال کے امتزاج سے تخلیق پاتا ہے۔ ظفر اقبال نے شاعری میں لفظ کے غیر معمولی استعمال پر بطور خاص توجہ دی ہے، ظفر اقبال نے جو لفظ روشِ عام سے ہٹ کر استعمال کیے وہ محض نئے اور اچھوتے الفاظ یا پنجابی اور علاقائی لہجوں کے غماز ہی نہیں بلکہ وہ اپنی اکائی میں ایک خاص پس منظر سے معنویت کے حامل ہیں۔

ظفر اقبال نے بحث طلب غزل میں مروجہ تراکیب کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اردو تراکیب میں پنجابی کی پیوندکاری کرتے ہوئے خوف خدا، آب فنا، نقش نوا، دست دعا، سنگ سزا، صبح صدا کو خوف خداؤں، آب فناؤں، نقش نواؤں، دست دعاؤں، سنگ سزاؤں، صبح صداؤں کا استعمال کرتے ہوئے صرف صیغہ جمع کا تاثر نہیں دیا بلکہ درحقیقت یہ پنجابی زبان کے انداز گفتگو کے مطابق غیبوں بمعنی غیب سے آسمانوں (آسمان کی طرف سے) رُوں' سبُّوں کے الفاظ کی مانند سزاؤں، خداؤں، نواوں وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اپنی معنویت میں اضافت کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے اس غزل کو دیکھیں تو ان تجربات سے ظفر اقبال کی زبان پر دسترس کے اور رنگ نکھرنے لگتے ہیں:

اور بھی ڈر تھا کوئی خوف خداؤں بغیر
پیاس بدن کی بجھی آب فناؤں بغیر
گوہر اختر ملا بحر فلک سے مجھے
دست دعاؤں بغیر نقش نواؤں بغیر
بجھے الجھنے لگا منظر خوں اس طرح
خواب سے جاگا ہوں میں صبح صداؤں بغیر
سر میں اڑی جا بجا گرم گناہوں کی گرد
پھول کھلا زخم کا سنگ سزاؤں بغیر
شور مچاتی ہوئی آندھیاں اندر ظفر
لرزش برگ خزاں ہرکھ ہواؤں بغیر

اسی طرح ظفر اقبال نے قوافی میں صرف لسانی تجربات کے عمل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نئے الفاظ اور

مصادر ہی نہیں بنائے بلکہ رعایت لفظی سے کام لیتے ہوئے ذو معنی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ البتہ قافیہ پیمائی کے ساتھ ساتھ کچھ الفاظ کا تلفظ بدل کر رکھ دیا ہے۔ درج ذیل غزل اس کی واضح مثال ہے:

جسے ڈوبنا تھا اُسے تار گیا
وہ دشمن تھا کون اس کی مت مار گیا
جنگل جھاڑ جھنکار تن توڑ پھوڑ
الف اننگ اسوار تنہار گیا
وہیں ہوگیا ہور کا ہور وہ
جو اندروں نکل کے ذرا باہر گیا
پس و پیش دائم للک لہر بہر
کہ ایسار آیا تو ویسار گیا
مرن مہلتاں دینے والار سی
زلف زندگی ہور الجھار گیا

ان قوافی میں تنہار اور ویسار محض قوافی کے مخصوص ردھم اور مطالب یعنی "تنہا ہی" اور "ویسا ہی" یا "اُسی طرح ہی" کے معنوں کے ساتھ ساتھ تن ہار یعنی تن کو ہار گیا اور اسی طرح "ایسار آیا تو ویسار گیا" میں "سار" بمعنی خبر کے بھی استعمال ہوا ہے البتہ تنہار، تار، مار، ویسار، الجھار کے وزن سے باہر کا وزن جدا ہے۔

ظفر اقبال کی بعض غزلیات پنجابی کے ٹھیٹ الفاظ کے استعمال کے باوجود مضامین خیال میں انفرادیت اور اچھوتی معنویت لیے ہوئے ہیں جیسے کہ درج ذیل غزل کی ہیت ترکیبی اردو زبان کی غزل سے دور اور پنجابی اسلوب غزل سے قریب محسوس ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ قوافی بھی پنجابی تلفظ کے آئینہ دار ہیں:

راکھ سراب سیہہ جنگلاں میں پیاسا نام نشاں کا
پھرتا تھا اک واء ورولا کچی پکی تھاں کا
سنکھ سریے بجے دن راتیں دم زنجیر پرانی
بوہے کھول کے بیٹھے ظفر اناتک ناتھ جہاں کا

ان اشارات اور دیسی الفاظ کو زبان سے شناسائی رکھنے والے لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان میں ایک مکمل ثقافت اور تہذیبی رچاؤ پوشیدہ ہے۔ ظفر اقبال کی "گلافتاب" کے اخیر میں شامل غزلیات صرف لسانی تجربات کے تحت پیچیدہ، مشکل ہندی، فارسی، بنگلہ، انگریزی اور پنجابی الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ان الفاظ کے استعمال میں تشبیہات اور تلمیحات کے ذریعے، ظفر اقبال نے ان الفاظ کا جس تہذیب اور ثقافت سے تعلق ہے نہ صرف

انھیں شاعری کا حصہ بنایا ہے بلکہ ان الفاظ کو جذبات سے، عام مشاہدے کی اشیا سے، کیفیات اور حالات سے مربوط کر کے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔

ظفر اقبال کا علاقہ چونکہ خود دریا سے قربت رکھتا ہے اور ظفر اقبال اپنے خاندانی پس منظر کے اعتبار سے ایک زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے دیہی علاقے کی ثقافت، ماحول، مخصوص علائم سے بخوبی واقف ہیں۔ ان علاقوں سے تعلق رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ موجوں کے تیز بہاؤ، کناروں کی ٹوٹ پھوٹ اور دریا کے کنارے پر موجود درختوں کی کمزوری و بے چارگی کا ہر رنگ کیسی کیسی کہانیاں لیے ہوئے ہے۔ یہ مشاہدات ان کی روزمرہ زندگی کے معمول کی مانند ہیں۔ ظفر اقبال نے بھی زندگی کے ایسے بے شمار مشاہدات کو شعر میں مخصوص الفاظ، مفہوم اور ثقافتی حوالے سے سمو کر دکھوں کی موجوں کے ہاتھوں حضرت انسان کی زندگی کے مدّ و جزر کو بخوبی بیان کیا ہے:

بھکھ دریا للکار لشک رُکھ روہر کدھی کم زوری
تن تیلا و چکار ولک ان موج مہار اُلھے

اس شعر میں الفاظ بذات خود تلمیحات اور تشبیہ کے پیرایے میں دنیا میں انسان کی بے بسی اور درپیش مصائب کی عکاسی کرتے ہیں۔ دراصل ظفر اقبال نے "گلافتاب" کے آخر میں شامل ان غزلیات میں بیک وقت بہت سے تجربات کرتے ہوئے مختلف زبانوں اور پھر ان زبانوں کے حوالے سے ثقافتی حوالوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ تجربہ ورائٹی اور جدت کے اعتبار سے قابل تحسین ہے مگر ایک عام قاری کے لیے اس کی تفہیم آسان نہیں کیونکہ ہر شخص بیک وقت ظفر اقبال کی جدت تخیل اور مختلف زبانوں سے شناسائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایسا ہفت زبان خواں قاری ملنا آسان نہیں۔

ظفر اقبال نے تجربہ تو خوب کیا ہے مگر اپنے اور قاری کے درمیان فاصلہ بڑھا دیا ہے۔ شعر کا کمال یہ ہے کہ جو اپنی تاثیر سے دل بھی موہ لے اور حسن بھی پیدا کرے، دل وہی موہ لیتا ہے جس کا مفہوم دل پہ اثر کرتا ہے۔ اگر مفہوم سمجھنے میں ہی ذہن الجھ کر رہ جائے اور زبان کے چیستان میں قاری گم ہو جائے تو حسن تخیل کی ڈور کیسے ہاتھ میں آئے! ظفر اقبال کے مذکورہ بالا شعر سے ذہن میں فارسی کے شاعر خواجہ حافظ کا شعر آجاتا ہے۔

شب تاریک و بیم موج، گردابے چنیں حائل
کجا داند حال ما سبک ساران ساحل ہا

اس شعر کا ترجمہ حافظ جھنڈا نے کیا خوب کیا ہے:

رات اندھیری، گھمسن گھیری، دریا پیا ٹھاٹھاں مارے
اوہ کی حال اساڈا جانن جیہڑے وسدے ندی کنارے

خواجہ حافظ کے شعر کے ترجمے کے بعد ظفر اقبال کا یہ شعر دوبارہ پڑھیں تو مزہ دوبالا ہو جاتا ہے:

بھکھ دریا للکار لشک رُکھ روڑ کدھی کمزوری
تن تیلا وچکار و لک ان موج مہار اُلتھے

اسی طرح بعض اشعار میں ظفر اقبال نے زبان کے ایک رنگ، ایک ثقافت میں اظہار خیال کرتے کرتے معاً الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ثقافت کا بھی کوئی حوالہ سمیٹا ہے۔ اسے Quantum Jump ہی کہہ سکتے ہیں یعنی ایسی جست جو بیچ کی منازل کو چھوڑتی ہوئی عمل میں آئے۔(۱۲) جو ایک عالی دماغ شاعر کی اعلیٰ کاوش تو ہے مگر اس کی تفہیم کے لیے قاری کو بھی اُسی Quantum Jump کی ضرورت ہے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں، دوسری صورت میں اس کی تفہیم کے لیے لغت کی ضرورت ہے۔ درج ذیل اشعار ایسی ہی مثال ہیں:

پچھ پرتیت لٹک لٹکیلی آپنی کیمن آچھن
سانول سانجھ اوائل اک مک دم دم دور بلائیں
زرد جنگل مُدھ کھڑ کھڑ ہسن نیچر فصل قرآئن
دانے دانے مہر معصیت خلوت خواب خدائیں

بیک وقت ان اشعار میں تین چار کوششوں، ثقافتی رنگوں، زبانوں کے ذائقوں، لفظوں کی بجھارتوں کو بخوبی نبھایا ہے، جو یقیناً ایک مشکل کام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان اشعار میں مختلف زبانوں کی بدولت ایک ''متجسن'' سا تیار کر دیا ہے، جسے پڑھ کر متنوع لغات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

''گلافتاب'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۶ء اور دوسرا ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ پہلے ایڈیشن میں شامل بہت سے تجربات کو دوسرے ایڈیشن میں بدل دیا گیا ہے۔ لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا کرنے کی یہ راہ ظفر اقبال نے اس لیے اپنائی کہ اس کے بیشتر مقاصد حاصل کیے جا چکے ہیں، مثلاً باقی معاملات کو جوں کا توں رکھتے ہوئے جہاں پنجابی کی جگہ اردو افعال کو بحال کیا ہے وہاں کا، کے، کی بجائے الف کے استعمال کو ترک کر دیا گیا ہے۔(۱۳)

''گلافتاب'' طبع اول کے بعد طبع دوم میں جو لسانی تجربات کیے گئے ہیں اور لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا (۱۴) کرنے کی جو روش اپنائی گئی تھی وہ کلیات کی جلد اول میں بھی بعینہٖ موجود ہے۔ غالباً ظفر اقبال نے ان لسانی تشکیلات اور تجربات کے ذریعے جو پیغام دینا تھا وہ پورا ہو گیا، یا انھوں نے ان تجربات اور نئے الفاظ اور گرامر کی تبدیلیوں سے زبان شکنی اور زبان سازی کا فرق واضح کر کے ایک نئی راہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے اسے ظفر اقبال کی دلیرانہ کاوش قرار دیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان لسانی تجربات و تشکیلات کے ذریعے ظفر اقبال نے زبان، محاورے اور گرامر کی روایتی پابندیوں سے گریز اختیار کیا لیکن ان کی یہ سکیم زیادہ دیر ان کا ساتھ نہ دے سکی۔(۱۵)

بے شک ظفر اقبال نے ''گلافتاب'' میں کیے گئے لسانی تجربات اور زبان شکنی زبان سازی کے تجربات کو بعینہٖ اس کے بعد نہیں دہرایا لیکن ظفر اقبال اُن شعرا میں سے ہیں جنھوں نے شیر افضل جعفری کی طرح صرف ''لہندے کے لہجے'' کے لال لال گلابوں سے ہی سانولی اردو کو سرخ رو نہیں کیا بلکہ ابن انشاء کے شعر کے مصداق:

کس واسطے ٹھیٹ بنے رہیے، ذرا رنگ بدل کے غزل کہیے
یہ جو اردو زبان ہماری ہے سو رنگ ہیں اس کے دامن میں

کے پیرایے میں اردو زبان کو ایک جوہڑ بننے سے بچانے کے لیے (۱۶) جدت، روایت، زبان و بیاں کے تجربات سے ہمکنار کرتے ہوئے ''گلافتاب'' کے بعد اب تک کی گئی شاعری میں دیگر علاقائی رنگوں اور زبان کے ذائقوں سے لسانی تجربات کیے ہیں۔ ظفر اقبال نے ہر طرح کے تجربات کرتے ہوئے ''گلافتاب'' میں بالخصوص اور دیگر شعری مجموعوں میں بالعموم زبان، ہیت، اسلوب، نئے لسانی پیکر کی دریافت اور نئے قوافی اور مصادر سے، ایک نیا شعری آہنگ تو پیدا کیا لیکن اضافت کے تجربات، الف کے اضافے سے نئے لفظوں کی تشکیل اور گرامر کی تبدیلی نئے پیرایہ اظہار کی تلاش اور اردو کو علاقائی زبانوں کے لہجوں اور لفظوں کے ملاپ سے نئی زبان کی تشکیل کے اس عمل سے ظفر اقبال نے انفرادیت تو خوب پیدا کی اور مختلف زبانوں سے اپنی شناسائی کا عندیہ بھی دیا لیکن زبانوں کے اس تال میل سے شعر کو پیچیدہ بھی بنا دیا

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ ظفر اقبال، ''گلافتاب'' (فلیپ) مشمولہ ''اب تک''، کلیاتِ غزل (جلد اوّل)، از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انٹیرز، لاہور، بار اوّل، ۲۰۰۴ء، ص ۲۸۵

۲۔ ایضاً

۳۔ عبدالرشید، ''نئے ذائقوں کے زخم'' (مضمون) مشمولہ ''اب تک'' کلیاتِ غزل (جلد دوم) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انٹیرز، لاہور، بار اوّل، ۲۰۰۵ء، ص ۹۱۰

۴۔ سیّد عامر سہیل، ''گفتگو'' ظفر اقبال کے ساتھ'' مشمولہ ''انگارے'' (ظفر اقبال نمبر) گل گشت، ملتان، بار چہارم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷

۵۔ ظفر اقبال ''گلافتاب'' (فلیپ) مشمولہ ''اب تک'' کلیاتِ غزل (جلد اوّل) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انٹیرز، لاہور، بار اوّل، ۲۰۰۴ء، ص ۲۸۵

۶۔ سمیرا کلیم، ''ظفر اقبال ۔ایک عہد ایک روایت'' (مضمون) مشمولہ ''انگارے'' (ظفر اقبال نمبر) گل گشت کالونی، ملتان، بار چہارم، ۲۰۰۶ء، ص ۹۷

۷۔ طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ''اردو غزل ۔نئی تشکیل''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، بار اوّل، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۷

۸۔ بنیاد نقوی، ''فصیلِ ذات''، سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اوّل، ۱۹۷۴ء، ص ۴۰

۹۔ John Milton "Paradise Lost", New Kitab Mahal, Book One, Page 1

۱۰۔ طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ''اردو غزل ۔نئی تشکیل''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، بار اوّل، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۳۔۱۸۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۱۲۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، ''طبعِ رواں، نظرِ معنی اور بے شمار امکان'' (دیباچہ) ''اب تک'' کلیاتِ غزل (جلد اوّل) ملٹی میڈیا انٹیرز، لاہور، بار اوّل، ۲۰۰۴ء، ص ۴۶

۱۳۔ ظفر اقبال ''گلافتاب'' (فلیپ) مشمولہ ''اب تک'' کلیاتِ غزل'' (جلد اوّل) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انٹیرز، لاہور، جلد اوّل، ۲۰۰۴ء، ص ۔۲۸۵

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ سعادت سعید، ''پاکستانی اردو غزل ۔ایک اجمالی تعارف'' (مضمون) مشمولہ ''اردو غزل'' مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، پروگریسو بکس، لاہور، بار اوّل، ۱۹۸۹ء، ص ۔۲۹۹

۱۶۔ طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ''اردو غزل ۔نئی تشکیل''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، بار اوّل، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۶